© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے۔ حضرت علیؓ نے اس وقت امانت کی جب وہ اس قابل ہوئے۔

اس سے قطع نظر اسلوب بیان سے پڑھنے والے کے ذہن پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں آنحضور صلوات اللہ علیہ کے حامی و ناصر صرف حضرت علیؓ تھے۔ اور یہ چیز کسی سنی کیلئے قابلِ برداشت نہیں۔

ص۱۰۷ پر لکھتے ہیں:

"اور حضرت علیؓ ممتاز مجاہد تھے غزوہ بدر اور غزوہ اُحُد میں اسلام کے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ان کے نامور بہادروں کو شکست فاش دی اور بعض کو جہنم رسید کیا۔"

لکھنا یہ چاہیے تھا کہ حضرت علیؓ کا شمار ممتاز مجاہدوں میں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں ایسے حضرات کی خاصی بڑی تعداد تھی جو حضرت علیؓ ہی کی طرح مجاہدانہ اوصاف میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

کہنا یہ چاہیے تھا کہ حضرت علیؓ غزوہ بدر و احد میں بھی شریک رہے۔ شرکاءِ غزوہ بدر کی جو فضیلت ہے۔ وہ آں محترم کیلئے بھی ثابت ہے۔ اس عنوان سے قاری پر یہ اثر ہوتا ہے کہ بدر و اُحد کا سارا کریڈٹ آں محترم ہی کو ملنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلافِ حقیقت ہے۔ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ سب ہی صحابہ کرامؓ نے کیا تھا۔ اس میں آں محترم ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ غزوۂ بدر میں جنگ مبارزت کے موقعہ پر جسطرح حضرت علیؓ نے اپنے مقابل کو قتل کر دیا اسی طرح حضرت حمزہؓ نے بھی اپنے مقابل کو واصل جہنم کیا۔ جنگ مغلوبہ میں سب صحابہؓ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلکہ آں محترم کے ہاتھ میں تو تلوار بھی تھی بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس تو تلوار بھی نہ تھی انہوں نے تو لاٹھی ڈنڈوں سے شمشیر و سنان کا مقابلہ کیا۔

حضرت معاذ اور حضرت عوذ رضی اللہ عنہما نے دشمن کی صفوں میں گھس کر ابو جہل کو مار گرایا جو مخالفین کا بہت بڑا سردار تھا اور جسکی حفاظت ان کا ہر فرد ضروری سمجھتا تھا۔ یہ کارنامہ جنگِ مبارزت میں مقابل کو قتل کر دینے سے بڑھ کر ہے۔

اسی صفحہ پر مندرج ہے، "آپ فاتح خیبر ہیں" یہ بات بھی خلاف واقعہ اور غلو کا نمونہ ہے۔ خیبر کا ایک قلعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ یعنی جس فوج نے اس قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا اس کے سردار آں محترم تھے۔ مگر خیبر ایک قلعہ کا نام نہیں پورے علاقہ کا نام ہے جس میں متعدد قلعے تھے۔ دوسرے قلعے دوسرے حضرات نے فتح کئے۔ صرف حضرت علیؓ کو فاتح خیبر کہنا صحیح نہیں۔

ص۱۱۱ پر ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے میں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس عنوان سے ہے، "آپ خاندان بنو امیہ کے ممتاز سردار کی بیٹی تھیں۔" حضرت ابو سفیانؓ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح تذکرہ کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔ جو ہر سنی کیلئے تکلیف دہ ہے۔

آخری صفحہ پر کاتبین وحی کی ایک فہرست ہے۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں حالانکہ وہ بھی مشہور کاتبانِ وحی میں شامل ہیں۔ ص۴۲ پر زیرِ عنوان نظم وضبط مسٹر جناح کا بھی ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ وہ نہ کوئی عالم تھے نہ دیندار و متقی —— مذہبی کتاب میں ان کا قول نقل کرنا بالکل بے محل اور نامناسب ہے۔

احادیث نقل کرنے میں بھی ضروری احتیاط نہیں ملحوظ رکھی گئی۔ مثلاً ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ۔ حالانکہ حدیث یوں ہے۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ کسی حدیث کے متعلق کسی کتاب کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔

خیر الناس من ینفع الناس۔ حدیث ہے تو کہاں ہے۔؟ حوالہ مذکور ہوتا تو پتہ چلتا۔ آخر میں یہ بات صاف کر دینا ضروری ہے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت و بزرگی ہر سنی کے نزدیک واجب التسلیم اور اس کا تذکرہ مستحسن مگر ان کے واقعی اور صحیح فضائل ان کی شخصیت کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں۔ ان میں مبالغہ کا پیوند یا خلاف واقعہ امور کا جوڑ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور سنی مزاج اسے گوارہ نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا آں محترم کی شخصیت کو نمایاں کرنے کیلئے ایسا طرز اختیار کرنا جو اس مبارک دور کی دوسری عظیم شخصیتوں کو نظر سے پنہاں کر دے، اہل سنت کے نزدیک گمراہ کن ہے۔

افسوس ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں ایسا ہی طرز اختیار کیا گیا ہے۔ اور مبالغہ آرائی کے ساتھ خلافِ واقعہ امور کو ممزوج کر کے اسکی قوت تاثیر کو بڑھایا گیا ہے۔

اس طرزِ عمل کیوجہ سے یہ نصاب طلبہ وطالبات کو سنی زاویہ نظر دینے سے قاصر ہو گیا۔ اسے پڑھ کر سنی ذہن کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔ بلکہ اسکی تخریب کا سامان اس میں موجود ہے۔ جو اس قدر مخفی ہے کہ تمام نگاہیں اس کے ادراک سے قاصر رہتی ہیں۔ گذشتہ سطریں اس راز کو افشا کر دیتی ہیں۔

—— آٹھویں جماعت کی کتاب ——

ص۳۲ پر قرآنِ کریم کی ایک آیت نقل کی گئی ہے۔ جس میں صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس پر فلاح اور کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ آیت کے ترجمہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا تذکرہ ہے۔ یہ بیان دور تک چلا گیا ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نیکی اور عظیم کام پر مامور فرمایا کہ آپ اسلام اور قرآن کی برتری اور خوبی تمام دنیا میں پھیلا دیں۔ آپ نے یہ سارا کام تیئس سال کی مدت میں پورا کیا۔ ملک عرب جہاں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی تبلیغ شروع ہوئی۔ وہاں کے رہنے والے سینکڑوں بتوں کے پجاری تھے۔ ساری دنیا میں کفر اور بدی کا غلبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی قوت عطا فرمائی تاکہ آپ دشمنانِ دین کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ آپ کو دشمنوں نے اتنا ستایا کہ دنیا میں کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ آپ نے صبر کی انتہا کر دی آپ نے صرف یہی کہا کہ اللہ ان کو ہدایت دے۔ مکہ والوں نے آپ کا تین سال تک بائیکاٹ کیا۔ آپ طائف کے شہر میں دین کی دعوت کیلئے گئے وہاں آپ پر پتھر برسائے گئے۔"

اسی قسم کا مضمون دور تک چلا گیا ہے۔

اس عبارت کو غور سے ملاحظہ فرمائیے، اور اس کے بعد تصور کیجئے کہ اسے پڑھنے والے خام ذہن بچے ہوں گے نفسیاتی اعتبار سے ان کے ذہن پر اس کا کیا اثر ہوگا۔؟ اس کا جواب سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

(الف) دعوتِ دین کے ابتدائی دور میں مکہ والوں یا طائف والوں یا دوسرے عربوں نے جو مخالفت کی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایذائیں پہنچائیں ان کا تذکرہ تو کیا گیا ہے۔ مگر ان کے اسلام لانے اور اسلام لاتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار خدام بن جانے کیطرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ اس کا یہ اثر لازم ہے۔ کہ بچہ کو اہل مکہ اور اہل طائف بلکہ اس دور کے سب لوگوں سے باستثنائے چند اقارب نبی اکرمؐ نفرت و عداوت ہو جائے، بچپن سے جو نفرت و عداوت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس کا نکلنا بہت دشوار ہوتا ہے۔

پھر جب بائیکاٹ کا مذکورہ واقعہ استاد سے مجملاً سنے گا تو اسکی یہ نفرت اور زیادہ شدید ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کلاس سے باہر آکر مسلمانوں کی زبانوں سے صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کے اسماء سنے جس سے ان حضرات کے متعلق اسے حسنِ ظن پیدا ہو جائے۔ مگر جن حضرات صحابہؓ کا تذکرہ عام نہیں ہے۔ ان کے بارے میں اسے کوئی حسن ظن پیدا نہ ہوگا۔

اس کا کم سے کم نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان حضرات صحابہؓ سے یہ بچے بدگمان و متنفر ہی رہیں گے جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ اور اگر صحیح تعلیم یا مطالعہ نے ان کے ذہن کو صاف نہ کیا تو عمر بھر یہ اس ورطۂ ضلال میں مبتلا رہیں گے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کریں گے۔

(ب) پہلی خط کشیدہ عبارت بہت مغالطہ انگیز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیا صرف اس لئے ہوئی تھی کہ اسلام اور قرآن کی برتری ساری دنیا میں پھیلا دیں۔ پھیلا دینے کا تو مطلب صرف اتنا ہے کہ دنیا میں ہر طرف اسلام اور قرآن کی برتری اور خوبی کی شہرت ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد صرف اتنا تو نہ تھا۔ قرآنِ کریم کا بیان ہے کہ ختم المرسلین کے چار فرائض منصبی مقرر فرمائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے تھے۔ تلاوت آیات یعنی دعوت دین اور جو لوگ ایمان لے آئیں ان کو تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت اس کے ساتھ ان کا تزکیہ یعنی ان کی اصلاح اور تربیت باطنی۔ ان سب امور کو نظر انداز کر کے ایک گول مول بات لکھ دی گئی ہے۔ حالانکہ اقتضاء مقام یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بے نظیر کامیابی ہوئی اس کا تذکرہ کیا جاتا اور یہ دکھایا جاتا کہ آنحضورؐ نے صبر و تحمل کے ساتھ غلبۂ دین کی کوشش فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تیئس سال کی قلیل مدت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا اور پوری قوم انتہائی پستی سے بلندی کے اس درجہ پر پہنچ گئی جو کسی امتی کی بلندی کی انتہا رہے۔ دشمن دوست اور جان نثار بن گئے۔ اور جو بُرے تھے وہ خوبی و پاکیزگی میں ملائک کی ہمسری کرنے لگے۔ آنحضورؐ اور اصحاب ھذا کے اس بے مثال معجزے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔

یہ مغالطہ انگیز بیان کسی شیعی قلم کا رہین منت معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے کے ذہن میں رتبہ صحابیت کا صحیح تصور اور صحابہؓ کی عظمت پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسلام کا ناشر سمجھے اہل ایمان کا معلم و مربی اور مزکی نہ سمجھے۔ کیونکہ اگر یہ سمجھے گا تو آنحضورؐ کے شاگردوں کی طرف بھی ذہن فطرتاً منتقل ہوگا۔ اور فطری طور پر ان حضرات کے متعلق اسکا تصور بلند ہوگا۔ اور یہی وہ چیز ہے جسکا سدباب شیعہ کرنا چاہتے ہیں۔ مغالطہ بہت دقیق ہے۔ اس لئے بہت کم سنی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

صـ ۲۲ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر واحد کے صیغوں کیساتھ بے ادبانہ انداز میں ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کا بچوں کے ذہن پر اس کا یہ اثر ہوگا کہ ان صحابہؓ کی عظمت اس میں نہ پیدا ہو سکے گی، اپنے معاشرے میں خدمت کار کا جو تصور ان کے ذہن میں ہے وہی ان پر چسپاں کریں گے۔

ساتویں جماعت کی کتاب

صـ ۲۳ پر فتح مکہ کے بیان میں مذکور ہے:

"ابو سفیان جو مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا۔ اس خدائی فوج کے جلال دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اور مقابلے کی بجائے اس نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔"

اس عبارت کو پڑھ کر بچے کے ذہن میں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا کیا تصور قائم ہوگا۔؟ اس سے تو وہ یہی سمجھے گا کہ آں محترم نے لشکرِ اسلام کی شوکت سے مرعوب ہو کر بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ العیاذ باللہ۔

یہ خیال باطل سنی ذہن کیلئے زہر ہے۔ بچے کا خام ذہن اس زہر کو پی کر سنی روح کو کب تک محفوظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھ سکے گا۔ ۶ اس کتاب میں نہیں بلکہ پورے نصاب میں جہاں بھی حضرت ابوسفیانؓ کا نام آیا ہے، وہاں ایسے ہی انداز سے آیا ہے جس سے ان کے متعلق کوئی اچھا تصور پیدا نہیں ہوتا بلکہ بدگمانی کو راہ ملتی ہے۔ اسی صفحہ پر حضرت فاروق اعظمؓ کا نام تو اس طرح آیا ہے: "آپ نے عمر فاروق سے ارشاد فرمایا۔" مگر ایک سطر بعد لکھتے ہیں: "پھر آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کو بت توڑنے کا حکم دیا۔" دونوں حضرات کے اسماء گرامی کے اظہار میں فرق ظاہر ہے۔ اور اس کا جو اثر سنّی بچوں کے ذہن پر پڑے گا وہ بھی محتاج بیان نہیں ——

صـ۲۲ پر بعد فتح کے واقعات میں قریش کے اسلام لانے کیطرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ مقتضائے مقام تھا۔ بیان پڑھ کر ناواقف خصوصاً بچہ یہی سمجھے گا کہ العیاذ باللہ فتح کے بعد بھی یہ سب کافر ہی رہے۔ اور باوجود اس کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رعایت فرمائی۔

صـ۲۲ پر بیان وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں لکھا ہے: "نماز کی امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔" حالانکہ لکھنا یہ چاہیئے تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امامت صلوٰۃ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ اور انہیں حکم دیا کہ امامت کریں۔ اسی بیان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دینے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس موقع پر اس کے تذکرہ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ مگر دوسری بنات صالحاتؓ کے تذکرہ سے کتاب بالکل محروم ہے۔ اس کے اثر کی نشاندہی صفحات گزشتہ میں کر چکا ہوں۔

صـ۲۹ غزوہ خیبر کے تذکرہ میں حضرت علیؓ کو ایک دن عَلَم (جھنڈا) دینے کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے: "کل میں ایک خاص علم اس شخص کو دوں گا" اس میں ایک خاص کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا گیا۔ حدیث میں صرف عَلم دینے کا ذکر ہے۔

صـ۳۰ پر زیر عنوان "جنگ تبوک" لکھا ہے: "جانے سے پہلے آپؐ نے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کو مدینہ کا نگران مقرر کیا۔" اس میں مغالطہ دینے کی کوشش پنہاں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کو اپنے اہل و عیال کی خبرگیری کیلئے مدینہ میں مقرر فرمایا تھا۔ صرف یہی کام آں محترم کے سپرد تھا۔ مدینہ کا نگران انہیں نہیں بنایا گیا تھا۔ بلکہ آنحضور نے حضرت عبداللہ ابن ام کلثوم کو نگران بنایا تھا۔ اور نماز کا انتظام انہیں کے سپرد فرمایا تھا۔

شیعہ اس روایت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں۔ ان کا استدلال تو بالکل کمزور اور بے جان ہے۔ مگر خام عقل اور دین سے ناواقف بچے دھوکہ میں آسکتے ہیں۔ اس مغالطہ کا مقصد یہی ہے۔ کہ بچوں کے ذہن کو اس غلط استدلال کے قبول کرنے کیلئے تیار کر دیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھٹی جماعت کی کتاب بعض نقائص کے باوجود ان کتابوں میں نسبتاً سب سے غنیمت ہے۔ اس وجہ سے طوالت سے بچنے کے لئے اس پر تبصرہ ترک کرتا ہوں۔

پانچویں جماعت کی کتاب

ص۲۱ پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے اسلام لانے کا واقعہ ہے۔ لکھا ہے کہ:

"اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، ایک دن حضرت عمر فاروق رضؓ نے ابوجہل سے کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ محمد کا کام تمام کر دوں۔"

اس کے بعد ان کے مسلمان ہونے کا تذکرہ ہے۔ واقعات صحیح ہیں۔ اور ان کے بیان کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ پانچویں جماعت میں پڑھنے والے کم فہم بچوں کو اس تفصیل کے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔؟ انہیں تو صرف اتنا بتا دینا کافی تھا۔ کہ حضرت عمرؓ مسلمان ہوگئے، اور آں محترم کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔ کم سن طلبہ قبل الاسلام اور بعد الاسلام کی کیفیتوں کے درمیان واضح فرق نہ کر سکیں گے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ ان کے دل میں وہ عقیدت و محبت نہ پیدا ہوگی۔ جو ایک ہستی کو ہونا چاہیئے۔ بلکہ خطرہ ہے کہ آں محترم کے متعلق انہیں کچھ سوء ظن پیدا ہو جائے۔ شیعہ مصنفین نے یہی نکتہ ملحوظ رکھا ہے۔

ص۳۳ پر مقاطعہ کا واقعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں: "۶۱۶ء کے آخر میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے مخالفوں کی ایک انجمن بنائی گئی۔" عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ مقاطعہ خاندانی بنیاد مبنی تھا۔ حالانکہ بالکل غلط ہے۔ مقاطعہ کی بنیاد کفر و اسلام کی جنگ اور مخالفت پر تھی۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے بحیثیت خاندان کسی کو کوئی مخالفت نہ تھی۔ اس مغالطہ دہی کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ اسلامی تاریخ کے مشاجرات اور محاربات کو خاندانی عصبیت کی عینک سے دیکھنے کیلئے بچہ کا ذہن تیار ہو جائے۔

ص۳۵ پر معراج کا تذکرہ ہے۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کی تصدیق کا اہم واقع قلم انداز کر دیا گیا۔ جبکہ ص۳۶ پر ہجرت کے بیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ رہنے کا واقعہ پورے اہتمام سے دکھایا گیا ہے۔ اور لکھا ہے: "حضرت علی المرتضیٰؓ نے حکم کی تعمیل کی اور خطرے کے باوجود حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔"

حالانکہ ان کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا۔ کفار صرف آنحضورؐ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اگر خطرہ ہوتا تو آں حضورؐ امانتیں کیوں ان کے سپرد فرماتے۔؟ خطرہ تو حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کیلئے تھا۔ جو ہجرت میں معاون تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی ذیل میں لکھا ہے : " یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پریشان ہوئے اور عرض کیا " حضور اب کیا ہوگا۔ پریشانی کس کے لئے تھی، اپنے لئے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ؟ کتاب اس تفصیل سے خالی ہے۔ اور اسلوب یہاں ایسا اختیار کیا گیا ہے۔ کہ صدیق اکبر رضؓ کے متعلق کمزوری کا تصوّر قائم ہو اور پڑھنے والا سمجھے کہ آں محترم کو اپنی جان کی فکر تھی۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آں محترم کو اپنی کوئی فکر نہ تھی بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی۔

چوتھی جماعت کی کتاب

۳۲ صفحات کی یہ بہت مختصر کتاب ہے۔ ایک سنّی بچہ کے لئے اس مرحلے پر صحابہ کرام میں کم ازکم حضرات خلفاء اربعہ کے اسماء گرامی سے واقفیت ضروری ہے۔ مگر کتاب میں حضرت علی رضؓ کا تذکرہ تو دو تین جگہ موجود ہے۔ اور حضرات خلفاء ثلاثہ رضؓ کے اسماء گرامی کہیں نہیں ملتے۔ مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے ذہن پر حضرت علی رضؓ کی عظمت کا نقش اس طرح بٹھایا جائے۔ کہ جو حضرات ان سے بھی اونچا درجہ رکھتے ہیں ان کی عظمت بھی پوشیدہ ہوجائے۔ واضح بات ہے کہ یہ چیز سنّی مذہب کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ بظاہر چھوٹی سی بات ہے۔ مگر اس کے نفسیاتی اثرات بہت خطرناک اور شدید ہیں۔ ان کتابوں میں اور بھی چیزیں ہیں جو قابل تغیر ہیں۔

جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، وہ نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دیکھنے والی اصل شئے یہ ہے کہ نصاب کا رجحان کیا ہے اور اس کا نفسیاتی اثر کیا ہوسکتا ہے۔ ؟ اس زاویہ سے اس میں شیعیت کے جراثیم صاف دکھائی دیتے ہیں۔ جیساکہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسے پڑھ کر ہمارے نونہال العیاذ باللہ شیعہ ہوجائیں گے۔ مگر یہ کہتا ہوں کہ اسے پڑھ کر ان میں شیعیت کو قبول کرنے کی صلاحیت یقیناً پیدا ہوجائے گی۔ حالانکہ دینیات پڑھنے کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ بچہ مذہب اہل سنت میں پختہ ہوجائے۔ اور اس کا ذہن کلیۃً " سنّی " بن جائے۔" سنی ذہن " کی شکست ہی ہماری تباہیوں کی بنیاد ہے۔ اور اسکی تعمیر ہی سبیل نجات و فلاح۔ لیکن یہ نصاب دینیات اس کی تعمیر کرنے کی بجائے اس کے بچے کھچے اجزاء کو بھی بوسیدہ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیعہ اس کے نتائج کے بارے میں بہت پُرامید ہیں۔ افسوس ہے کہ دینی طرزفکر سے محرومی کی وجہ سے بہت سے اہل سنت اس خطرناک نفسیاتی تدبیر کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں جو نصاب مذکور کی بنیاد ہے۔ بالفاظ مختصر یہ نصاب " سلو پوائزن " ہے۔ جو سنیت کو ختم کرنے کے لئے دیا جارہا ہے۔ علاوہ بریں اسکی کیا گارنٹی ہے کہ نصاب میں تبدیلی نہ ہوگی۔ ؟ تجربات بتاتے ہیں کہ اگر یہی لیل ونہار رہیں تو نصاب میں روز بروز شیعیت کا رنگ گہرا ہوتا چلا جائیگا۔ اور سنّی رنگ ہلکا۔ ان کتابوں میں زبان کی غلطیاں بھی بکثرت ہیں۔ نقل حدیث میں بھی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ لیکن چونکہ یہ مقصود نہیں اس لئے ان امور کو نظرانداز کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

حضرت عیسیٰ ؑ کی حیات و نزول کی حکمت

قسط (۳)

آپ کی ذاتی حیثیت کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا (عمران) جو زاہد اور امام تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور آپ کی بیوی حنۃ بنت فاقوذ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ جو بناء بر تحقیقی قول حضرت ذکریا علیہ السلام کی بیوی ایشاع کی بھانجی تھی۔ گویا حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حدیث معراج میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو ابنا خالۃ یعنی خالہ زاد بھائی کہا گیا ہے۔ وہ مجاز ہے کیونکہ عمران وحنۃ کی حضرت مریم علیہ السلام کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔ مریم کے معنی سریانی زبان میں خادم کے ہیں۔ حضرت مریم سے حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام نفخہ جبرائیل سے پیدا ہوئے۔ مسیح کے معنی مبارک ہے یا بمعنی سیاحت کرنے والے جس کا گھر نہ ہو۔ نفخہ جبرائیلی جو گریبان مریم میں پھونکا گیا وہ کلمہ کُنۡ تھا۔ اس وجہ سے کلمہ کہلائے۔ اس بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت مادری رشتہ سے انسانی ہے۔ اور نفخہ جبرئیلی کے اعتبار سے ملکی ہے۔ نفخہ جبرئیلی پدری تعلق کے قائم مقام تھا۔ لہذا ذاتِ مسیح میں مادری اور پدری دونوں رشتوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ مادری رشتہ کے لحاظ سے زمین پر رہنا، زمینی خواہشات کھانا پینا، میلان صنفی کا موجود ہونا ضروری تھا اور جبرائیلی اور ملکی رشتہ کے لحاظ سے ملکی خواص کھانے پینے وغیرہ خواہشات کا منقطع ہونا لازمی تھا۔ اس حکمت کی بنیاد پر آپ میں زمینی اور انسانی زندگی کے صفات بھی جمع کئے گئے اور ملکی زندگی سے آسمانی زندگی اور انسانی خواہشات سے استغناء اور ملکی صفات آپ کو عطا کئے گئے۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کا طولِ حیاتِ سماوی اور ضروریات انسانی سے منقطع ہونا آپ کی شخصیت کے ملکی پہلو کا عقلی تقاضا ہے۔ اور جب دوبارہ زمین پر نزول فرمائیں گے تو زمینی خواص سے موصوف ہوں گے۔ اس لئے حدیث نزولِ مسیح میں آیا ہے کہ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ۔ کہ وہ شادی کریں گے۔ اور ان کی اولاد بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گی۔ شیخ اکبر فتوحات باب میں لکھتے ہیں۔ نصفہ بشر و نصفہ ملک۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا نصف بشر اور نصف ملک ہے۔ آسمان پر ملکی خواص اور زمین پر انسانی خواص ہوں گے۔

ازالہ شبہ سطحی نگاہ والے شبہ کرتے ہیں کہ اگر مسیح آسمان پر ہیں تو کھانا پینا کہاں سے لے رہے ہیں۔ اس کا پہلا جواب تو اب گذرا کہ آسمانی زندگی ان کے ملکی طرز کی زندگی ہے جس میں وہ کھانے، پینے اور اس کے لوازمات سے بے نیاز ہیں۔ جس کے کچھ نظائر زمینی زندگی میں بھی موجود ہیں۔

۱۔ طبقات شافعیہ ج ۵ ص۲۰۲ میں شیخ عزیزالدین فاروقی سے روایت ہے کہ انہوں نے عراق میں ایک آدمی دیکھا کہ وہ نہ کھانا کھاتا نہ پیتا تھا۔

۲۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اندلس میں ایک عورت تھی جو بیس[۲] سال سے نہ کھاتی اور نہ پیتی تھی۔ جس کا واقعہ مشہور ہے۔

۳۔ حاکم تاریخ نیشاپور میں عیسیٰ بن محمد السلمانی سے نقل کرتے ہیں کہ رحمت نام ایک عورت کا شوہر شہید ہو چکا تھا تو اُس نے شوہر کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت کا طعام کھاتا ہے تو اس نے اس میں سے ایک ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دیا۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئی تو اس کو عمر بھر کھانے کی ضرورت نہ ہوئی۔

بحوالہ مذکورہ طبقات دوسرا جواب یہ ہے کہ زمین کو آسمان سے ایسی نسبت ہے جیسے رائی کے دانہ کو پہاڑ سے۔ تو جب اس چھوٹی زمین پر اللہ تعالیٰ نے اربوں مخلوقات کے کھانے کا انتظام فرما دیا ہے۔ تو کیا آسمان پر ایک فرد کی ضروریات کا انتظام کرنا اس کے لئے مشکل ہے۔؟ قطعاً نہیں۔

حکمت نزول حضرت عیسیٰؑ بلحاظ ختم نبوۃ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ	جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ	نے دیا کتاب اور علم اور پھر آئے تمہارے
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ	پاس بڑا رسول کہ سچا بتا دے تمہارے پاس والی
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ	کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ	کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس
وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ	شرط پر ہمارا عہد قبول کرلیا۔ بولے ہم نے
قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا	اقرار کرلیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی
وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ؕ (آل عمران ۸۱)	تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے خاتم الانبیاء علیہ السلام کے بارہ میں لیا گیا گویا حضور کریمؐ نبی الامم اور نبی الانبیاء بھی ہیں۔ آیت مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام نے خاتم الانبیاء

© rasailojaraid.com